شکیل جمالی سے ملاقات

رُخسانہ آرزو

تبادلۂ خیال کے درمیان قہقہوں کا تبادلہ
جناب شکیل جمالی اور رُخسانہ آرزو

ہندوستان کی سرحد زیادہ دُور نہیں لیکن جب اُس پار سے کوئی آتا ہے تو ہم سب یُوں دیدہ و دل فرشِ راہ کر کے ملتے ہیں گویا ہزاروں کوس سے صدیوں کا بچھڑا ہُوا کوئی پیارا آن ملا ہو۔ اس بار تو معاملہ شکیل جمالی صاحب کا تھا جن کے ساتھ کئی پہلوؤں سے ہمیں اپنی قرابت داری کا احساس ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ بذاتِ خود، ہندوستان کے معروف اور مایہ ناز ناول نگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ نہایت ہی شائستہ، خلیق اور ذہین انسان ہیں اور ایسا انسان سب کی سانجھی ملکیت ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ ہمارے مُلک کی اہم شخصیت اور ایشیا کے سب سے بڑے جاسوسی ناول نگار محترم ابنِ صفی کو یارانِ کہن میں سب سے زیادہ عزیز ہیں اور اس حوالے سے جمالی صاحب، ہمارے لیے اور بھی اہم شخصیت ہیں کہ ہمارے خیال میں ابنِ صفی صاحب جسے چاہتے ہیں وہ کوئی عام آدمی نہیں ہوسکتا۔ ہیرے کو جوہری ہی پرکھ سکتا ہے۔ یُوں تو جمالی صاحب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ہم بے چین تھے۔ آنچل پڑھنے والی بہنیں بھی بے چین ہوں گی کیوں کہ آپ نے آنچل میں اُن کے شان دار ناول پڑھ رکھے ہیں۔

میں چند دِنوں کے لیے لاہور سے کراچی آئی ہُوئی تھی اور آتے ہی ادارہ آنچل کی طرف سے مجھے یہ مصروفیت سونپی گئی کہ میں شکیل جمالی صاحب کا انٹرویو کروں۔ اس احساس سے خوشی ہُوئی کہ چلو، کراچی میں میرے دِن بے مصرف نہ گزریں گے۔ اچھی شخصیتوں سے مِلنا، میرے خیال میں وقت کا بہترین مصرف ہے اور دوسروں کو اُن سے مِلوانا ایک بھلائی...

آنچل کی تیاری تو تقریباً مکمل تھی لہٰذا بڑی عجلت میں شکیل جمالی صاحب سے وقت طے کیا گیا اور اسی روز ہم اُن سے ملنے نکل کھڑے ہُوئے۔

"ہم" سے مُراد، میں خُود، پبلشر جناب مشتاق احمد قریشی، ابنِ صفی میگزین کے ایڈیٹر جناب اظہر کلیم اور لاہور سے آئے ہُوئے ایک مہمان ادیب اور صحافی جناب محمود احمد مودی ہیں۔

شکیل صاحب سے ملاقات گویا دو آتشہ تھی کہ اُن کے بہانے محترم ابنِ صفی سے بھی ملاقات ہوگئی جس کا ہمیں بے حد اشتیاق تھا... شکیل صاحب، اُنہی کے ہاں ٹھہرے ہُوئے تھے۔ محترم ابنِ صفی گزشتہ چند ماہ بیمار رہے ہیں۔ اس لیے اُن کے ہونٹوں پر بیمار بیمار سی مُسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ لیکن میں جانتی ہُوں کہ اس عظیم ہستی کو لاکھوں سوگوار ہونٹوں پر مُسکراہٹ بکھیرنے کا فن آتا ہے۔ شکیل جمالی صاحب کی رفاقت میں، وہ جس انداز میں پیش آرہے تھے۔ اُسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا، گویا ہمالیہ کی چوٹی جُھکی جارہی ہو۔ اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ... وہ، جمالی صاحب کو جان و دِل کا حصّہ سمجھتے ہیں... یُوں ہمارے دِل میں جمالی صاحب کا احترام مزید بڑھ گیا۔

اِنٹرویو کے مراحل، محترم ابنِ صفی کے ہاں طے نہیں ہُوئے بلکہ وہاں سے ہمارا قافلہ، مشتاق صاحب کی جیپ اور محترم ابنِ صفی کی کار میں ایک اور صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہُوا جنہوں نے ہمارے لیے فوٹو گرافی کا اہتمام کیا ہُوا تھا۔ اصغر حسین اُن کا نام ہے... اور فوٹو گرافی اُن کا پیشہ نہیں بلکہ شوق ہے... اور جب صرف شوق ہی کی تکمیل کا سامان ہو تو نتائج ہمیشہ چمک دار ہوتے ہیں۔ اُن کے مُخلص انداز اور اُن کے کیمروں کی چکاچوند میں اِنٹرویو کا لُطف دوبالا ہوگیا۔ اُن کے ائرکنڈیشنڈ ڈرائنگ رُوم میں پہنچ کر ہمارے لب پر مچلتے سوالوں

کی حدت بڑھ گئی اور ہم نے فوراً ہی طلب شناسائی سے مجبور ہو کر جمالی صاحب کو سوال و جواب کے میدان میں کھینچ لیا۔

"جمالی صاحب آپ عرصے سے "ادب" کی مسافتیں طے کر رہے ہیں۔ فرمایئے، اب تک آپ نے ادب کی کن کن اصناف پر عبور پا لیا ہے؟ یا یوں کہیے کہ آپ کن کن اصناف پر عبور رکھتے ہیں؟" میں نے سراپا سوال بن کر پوچھا۔

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی صنف پر عبور بھی رکھتا

ابن صفی میگزین کے ایڈیٹر اظہر کلیم، محترم ابن صفی اور جناب شکیل جمالی کے ساتھ

ہوں البتہ اتنا کہنے کا مجاز ضرور ہوں کہ ناول نگاری سے دلچسپی رہی... اور میری تمام تر توجہ کا مرکز "ناول" رہا ہے۔ ویسے میں نے ڈرامے بھی لکھے ہیں اور افسانے بھی... کہیں ریڈیو کے لیے فیچر لکھے ہیں تو کہیں مضامین... لیکن ذہنی رجحان، ناول نگاری ہی کی طرف رہا۔"

بے شک انسان، ذہنی رجحانات کے مخالف قدم اُٹھانے کی سکت نہیں رکھتا کہ یہ ذہنی رجحانات ہی انسان کی منزل کا تعین کرتے ہیں لیکن ہمارے لیے کسی اچھے ادیب کا فقط ناول نگاری کی طرف راغب ہونا تفکر آمیز تھا کیونکہ اچھے ادیبوں کو ہر قسم کے لوگوں سے قریب تر ہونے کے لیے ہر میدان میں طبع آزمائی کرنی چاہیے۔

اس لیے ہم نے جمالی صاحب سے پھر پوچھا۔ "آپ نے ادب کی اِسی صنف ہی کو کیوں منتخب کیا، جذبات کے اظہار کے لیے، شہرت کے لیے یا اُردو زبان کی خدمت کے لیے؟"

اُنہوں نے زیرِ لب مسکرا کر میرا سوال سُنا اور سمجھانے والے پُرشفقت انداز میں جواب دیا۔ "جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کرے، ذریعہ کوئی بھی ہو۔ اگر اس خواہش میں انسان کی صلاحیتیں بھی شامل ہوں تو وہ اپنے شوق، ذوق اور ماحول کی بنیادوں پر کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کر لیتا ہے۔ مثلاً شاعری، نثر نگاری، مصوری اور نقاشی وغیرہ۔ میرے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہوا چونکہ گھر کا ماحول ادبی تھا۔ اس لیے مجھے کتابیں پڑھنے کا زیادہ موقع ملا۔ میں نے محسوس کیا کہ جذبات و احساسات اور خیالات کے اظہار کے لیے اس صنف میں زیادہ وسعت ہے۔ لہٰذا اپنے جذبے کی تسکین کے لیے... ناول نگاری کو منتخب کیا۔ جہاں تک ادب کی خدمت کا تعلق ہے تو

ملاقات کے دوران بے تکلفی کے چند لمحات

بی بی، یہ عمل تو ساتھ ساتھ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ پہلی چیز ذاتی خواہش ہے...!"

"آپ نے سب سے پہلے کیا لکھا؟ وہ کب اور کہاں شائع ہوا؟ اس کی اشاعت کے بعد، آپ کے جذبات کیا تھے؟" ہم نے ماضی کو کریدا کیونکہ ہم دیکھ رہے تھے کہ اس سوال سے جمالی صاحب کے چہرے پر یادِ ماضی کے تمام رنگ پھیل گئے تھے جیسے وہ خود اس زمانے میں جا پہنچے ہوں، جہاں سے انہوں نے لکھنے کا آغاز کیا تھا۔

"ہاں... (لمبی سانس) سب سے پہلے ۱۹۴۷ء میں مختصر سا مضمون لکھا جو ایک مقامی اخبار "نیا دور" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب "ماہنامہ نہضت" کا اجرا ہوا تو اس میں اکثر کہانیاں لکھا کرتا تھا اور جب ۱۹۵۳ء میں "رومانی دنیا" کا سلسلہ شروع ہوا تو میرا پہلا ناول "جھکے" شائع ہوا۔ اس کی اشاعت پر مجھے بے پناہ مسرت حاصل ہوئی اور اس خوشی اور احساس کی تشبیہ میں کچھ اس طرح سے دے سکتا ہوں جیسے... جیسے کسی ماں کو اپنا نوزائیدہ بچہ دیکھ کر ہوتی ہوگی۔"

"وقت بدلتا ہے تو وقت کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ بدلتی رتوں کا ساتھ دینے والا ہی وقت کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔ آپ اپنی ابتدائی عمر کی تخلیقات اور موجودہ تخلیقات میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟"

"عمر کے ساتھ ساتھ جو احساسات و جذبات اور خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے ویسی ہی تبدیلی یا فرق پچھلی تحریروں اور آج کی تحریروں میں محسوس ہوتا ہے... یعنی .... تحریروں میں وقت دھڑک رہا ہے۔"

"آپ عرصے سے میدانِ ادب میں ہیں، ادب میں آپ کا کیا حصّہ ہے اور سماج کی جانب سے ایک اہلِ قلم ہونے کے ناتے آپ پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟"

میرے اس سوال پر جمالی صاحب مسکرائے اور پھر ہنس کر بولے۔ "میں خود تو نہیں بتا سکتا کہ میرا ادب میں کیا حصّہ ہے اس کا فیصلہ تو نقاد کریں گے یا پھر میرے قاری کر سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک سماج کی ذمّے داریوں کی بات ہے تو میرے خیال میں ہر مصنّف پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی کہانیوں کے ذریعہ موجودہ سماج کے تاریک پہلوؤں اور روشن پہلوؤں کو اس طرح اُجاگر کرے کہ پڑھنے والے کا ذہن سماج کے روشن پہلوؤں سے متاثر ہو سکے اور تاریک پہلوؤں سے نفرت کرنے لگے۔ چونکہ ایک مُصنّف ناصح نہیں ہوتا، وہ مبلّغ نہیں ہوتا کہ براہِ راست سماج کی اچھائیوں کی تبلیغ کرے یا سماج میں پھیلی برائیوں سے روکے۔ اس کا کام زندگی کی تفسیر ہے اور ہر زندگی کسی نہ کسی سماج اور معاشرے کے پسِ منظر میں بسر ہوتی ہے اس لیے اگر وہ اپنی تحریروں سے صحت مند سماج کا تصوّر پیش کر سکے تو میں سمجھوں گا کہ قلم کار اپنے منصب کو بخوبی نبھا رہا ہے۔ میں خاص طور سے اپنی تحریروں میں اس بات کا خیال رکھتا ہوں جس سے سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح ہو سکے۔ میرے بعض ناول اپنے عنوان ہی سے میرے اس مقصد کی تفسیر کرتے ہیں جیسے "رشوت"، "قرض" وغیرہ۔

"میں ایک قلمکار کا یہ بہت بڑا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ سماج

کی دُرستگی میں، اُس کی اِصلاح میں اپنے فن کے ذریعے کوئی نمایاں رول انجام دے اور سماج میں پھیلی ہُوئی برائیوں کی اصلاح کرسکے۔"

"جمالی صاحب انسان منزلِ مراد پر اسی وقت پہنچتا ہے جب اس نے کسی منزل کا تعیّن کیا ہو۔ منزل کا تعیّن آئیڈیل کرواتے ہیں۔ آپ کا آئیڈیل کیا تھا اور اب کیا ہے؟"

"سچ پُوچھیے تو میرا آئیڈیل میرے والدِ محترم ڈاکٹر سیّد حیدر تھے میں اُن کی ادبی اور عملی شخصیت سے متاثر تھا اور آج بھی ہُوں..."

"آئیے کچھ دیر پاکستانی ادب کی باتیں کریں۔ آپ نے بے شمار پاکستانی لٹریچر پڑھ رکھا ہے۔ آپ کے خیال میں آج کل پاکستانی ادب کس طبقے یا مُعاشرے کی عکاسی کر رہا ہے؟"

"جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے تو میں نے اس سے اندازہ لگایا ہے پاکستانی ادب میں پاکستانیت بہت زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ ایسے مسائل پر قلم اٹھایا جارہا ہے جو اپر مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس سے متعلق ہیں۔ میں نے یہاں نوجوانوں میں وطنیّت کا مادّہ بہت زیادہ دیکھا ہے لوگ کام محنت سے کر رہے ہیں ہر کوئی اپنا اپنا فرض جانفشانی سے نبھا رہا ہے تو اس کا اثر ادب پر بھی ہے۔ یعنی ہر ادیب خوبصورت لکھ رہا ہے۔ خاص طور پر علامتی انداز میں نے دیکھا جس میں علامتیں غیر واضح نہ تھیں!!"

ہمیں علامتی انداز سے ترقی پسند مُصنّفین کا خیال آیا جو پاکستان اور ہندوستان میں ایک ساتھ اُبھرے تھے لیکن اب خال خال نظر آتے ہیں۔

"جمالی صاحب یہ فرمایئے کہ ترقی پسند مُصنّفین کی تحریک دم توڑ چکی ہے یا اس کی کوئی نئی شکل سامنے آرہی ہے؟؟"

"ترقی پسند تحریک ایک مخصوص نظریے اور مقصد کے تحت چلی تھی جس میں جدوجہد آزادی، تحریکِ آزادی اور اشتراکیت کا تصوّر تھا۔ لیکن جب یہ مقاصد نہ رہے اور تحریکِ آزادی کا مقصد حاصل ہوگیا دوسری جانب اشتراکیت کے نظریے میں بھی اختلافات پیدا ہوگئے تو اس تحریک کے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں رہا۔ نتیجے میں اُس کی سرگرمیاں رفتہ رفتہ کم ہوتی گئیں اور جو لوگ اس تحریک سے وابستہ تھے ان کی جگہ کوئی اور نہ لے سکا۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے کہ وہ تحریک دم توڑ چکی ہے تو زیادہ غلط نہ ہوگا۔ اُس کی جگہ ایک نئی تحریک کا آغاز ہُوا ہے۔ جسے جدیدیت کہہ لیجئے لیکن ابھی تک اُس کی واضح شکل سامنے

کیمرے کے سامنے صف آرا
دائیں سے بائیں، مشتاق احمد قریشی، جناب شکیل جمالی، محترم ابنِ صفی، اظہر کلیم، رخسانہ آرزو اور محمود احمد مودی

نہیں آئی ؟"

ہم نے ڈھیر ساری باتیں ادب کے بارے میں کیں تو گفتگو کا انداز بڑا سنجیدہ سا ہو چلا تھا کہ ہم نے ایک دم ان کی نجی زندگی کے دروازے پر دستک دی۔ "آپ اپنی نجی زندگی کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے ؟ آپ کی شادی کب ہوئی ؟ کتنے بچے ہیں۔ گھر میں آپ کا جھگڑا عموماً کس بات پر ہوتا ہے ؟؟ نئے شادی شدہ جوڑوں کے لیے کوئی پیغام ؟؟"

کہ مجھے وہ تمام سہولتیں اپنی بیوی کی جانب سے ملی ہیں جو سہولتیں لکھنے پڑھنے کے سلسلے میں ملنی چاہئیں۔ میری شادی ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی اور میرے گلشن میں سات پھول کھلے۔ میرے گھر کے آنگن میں پانچ کلیاں اور دو گلاب ... سب سے بڑا بیٹا شکیل حیدر۔ مجھے بہت پیارا ہے۔

"آپ جھگڑے کی بات کرتی ہیں۔ نہ بی بی نہ۔ ہمارا جھگڑا اوّل تو کبھی ہوا نہیں اور اگر ہوا بھی تو اس کی نوعیت بڑی دلچسپ

جناب شکیل جمالی سے مُلاقات کی ایک یادگار تصویر۔ سامنے: مشتاق احمد قریشی، محترم ابنِ صفی اور جناب شکیل جمالی پیچھے: اظہر کلیم، رخسانہ آرزو اور محمود احمد مودی

میرے لمبے چوڑے سوال پر جمالی صاحب دل کھول کر ہنسے۔ "خوب بھئی میں تو کب سے اس سوال کا منتظر تھا کہ کم از کم کسی طور میں اپنی بیوی کا تو ذکر کر سکوں۔ بہت دلچسپ سوال ہے میں اس کا جواب ضرور دینا چاہوں گا۔ بلکہ اس سے مجھے بے پناہ خوشی ہو گی کیونکہ اسی بہانے بیوی کا تذکرہ کروں گا۔ وہ میری شریکِ زندگی جس نے میری پوری ادبی زندگی میں میرا ساتھ دیا۔ میں سمجھتا ہوں

ہوتی ہے۔ مثلاً میری بیوی میری بے پروائی پر۔ میری خرابیٔ صحت پر مجھ سے جھگڑتی ہے۔ ہماری نجی زندگی بڑی خوشگوار رہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہماری ذہنی ہم آہنگی ہے اور میں نوجوان لوگوں کو بھی یہی کہوں گا کہ جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر ذہنی ہم آہنگی پیدا کریں کیونکہ جذبات تو جلد ماند پڑ جاتے ہیں ذہنی ہم آہنگی بہت بڑی نعمت ہے جو زندگی کو خارزار نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ

چلتے چلتے ایک کارنر میٹنگ

جو باتیں ابتدا میں اچھی لگتی ہیں دھیرے دھیرے بڑی معمولی لگنے لگتی ہیں۔ زندگی کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں اور بیوی جس کی تمام تر توجہ کا مرکز شوہر ہوتا ہے اُس کی توجہ بانٹنے کے لیے بچے آجاتے ہیں محبتیں بٹ جاتی ہیں اور ایسے اختلافات زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ابتدا ہی سے اعتدال پسندی پر توجہ دی جائے تو زندگی خوشگوار کٹ سکتی ہے۔"

"اپنے ہم عصروں میں آپ کو کون کون سے لوگ پسند ہیں؟"

"اسرار احمد میرے دوست یعنی ابنِ صفی، ڈاکٹر سید مجاور حسین، ڈاکٹر راہی معصوم رضا"

"آپ اپنے قلمی نام کا پسِ منظر بتانا پسند کریں گے۔ جبکہ آپ کے دوسرے ساتھی جو قلمی نام کے طور پر ولدیت اختیار کیے ہوئے ہیں مثلاً ابنِ صفی، ابنِ سعیدہ تو آپ ابنِ حیدر ہونے کے باوجود شکیل جمالی کے نام سے لکھتے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"یہ میرے دوستوں کی ستم ظریفی ہے۔ جب "ماہنامہ نکہت" کا اجرا ہوا تو میرے عزیز دوست اور ساتھی اسرار احمد (ابنِ صفی) اور مجاور حسین نے مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا نام ابنِ حیدر غیر شاعرانہ ہے اس لیے تم یہ نام بدل دو۔ میرا قلمی نام بھی انہی لوگوں نے تجویز کیا "جمال رضوی" اسی نام سے "ماہنامہ نکہت" میں لکھنا شروع کیا۔ لیکن جب رومانی دنیا کا سلسلہ شروع ہوا تو میرے عزیز دوست اسرار احمد نے اپنا قلمی نام "ابنِ صفی" رکھ لیا اور مجاور حسین نے اپنے والد کے نام پر ابنِ سعید۔ اور میں جو واقعی ابنِ حیدر تھا۔ منہ دیکھتا رہ گیا۔ آخر میں نے اپنے بیٹے کے نام کا سہارا لیا۔ ابنِ حیدر اور جمال رضوی کی جگہ شکیل جمالی بن گیا۔"

"جمالی صاحب، خواتین ہمارے ہاں آبادی کا نصف ہوتی ہیں۔ آپ خواتین کو کس حد تک آزادی دینے کے قائل ہیں؟"

"میں خواتین کی آزادی کا اس حد تک قائل ہوں جہاں تک اُن کا تقدس مجروح نہ ہو۔" جمالی صاحب نے جامع انداز میں خواتین سے متعلق اپنے جذبوں کا اظہار کر دیا تو ہم نے اسی بات کو آگے بڑھایا۔

"ہر لڑکی ایک نہ ایک دن دُلہن بنتی ہے اور گھرداری کی

ذمہ داریاں اُٹھاتی ہے۔ آپ کے نزدیک آئیڈیل بیوی میں کن کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟"

"اس سلسلے میں دو تین باتیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو میرے خیال میں وہ بیوی آئیڈیل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ضدی نہ ہو ... کاہل نہ ہو... اور گھریلو فرائض کی ادائیگی کا احساس کرے۔"

ڈھیر سارے ہلکے پھلکے سوال کر کے ہم نے جمالی صاحب کو بڑا پُرسکون سا بنا دیا تھا۔ اس لیے ہم نے ذرا پینترا بدلا۔ "کہتے ہیں پیار خزانہ گراں قدر ہے۔ پیار اگر عشق میں بدل جائے تو ... اور اگر عشق میں ناکامی ہو جائے تو اچھا فن کار جنم لیتا ہے فلمکار بھی فن کار ہی ہوتا ہے۔ آپ کو اچھا فن کار بنانے میں کیا کسی ایسے حادثے نے معاونت دی تھی؟" ہم نے جمالی صاحب کو کُریدا تو وہ چونک سے گئے۔ حیران ہوئے اور پھر ہنس دیے۔ "یہ آپ میرا نامۂ اعمال دیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ اس لیے رہنے دیجئے پرانی باتوں کو۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ لذتِ عشق کے بغیر کوئی ادیب یا شاعر زندگی کے بعض اہم اور لطیف گوشوں۔ جذبوں اور احساسات کی صحیح عکاسی نہیں کر سکتا۔ میرے فن میں اگر جذبوں کی عکاسی ہے تو اندازہ کر لیجئے۔"

"جب آپ بڑے انہماک سے کوئی چیز تخلیق کر رہے ہوں تو ایسے وقت کوئی دوست عزیز یا رشتہ دار آجائے تو کیا محسوس کرتے ہیں؟"

"میں ہمیشہ سے بہت ہی بامروّت واقع ہوا ہوں۔ اِس مروّت سے مجھے بہت نقصان پہنچا ہے۔ یقیناً ایسے وقت میں میرے جذبات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ میں کسی طرح اُس شخص کو گریبان سے پکڑ کر کمرے سے نکال باہر کروں لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کر پاتا، نہ کر سکتا ہوں۔ نتیجے میں دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتا ہوں۔"

اتنی بے شمار ادبی باتوں کے بعد میں نے قلم ایک جانب رکھ دیا۔ اب ہم دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے۔

"آپ نے پاکستان میں کیا چیز خاص طور پر محسوس کی؟"

"افسانے میں میں نے آج جو ترقی پاکستان میں دیکھی وہ پہلے کبھی نظر نہ آئی۔ ہر اعتبار سے پاکستان ترقی کر رہا ہے جس سے میں بہت خوش ہوں۔"

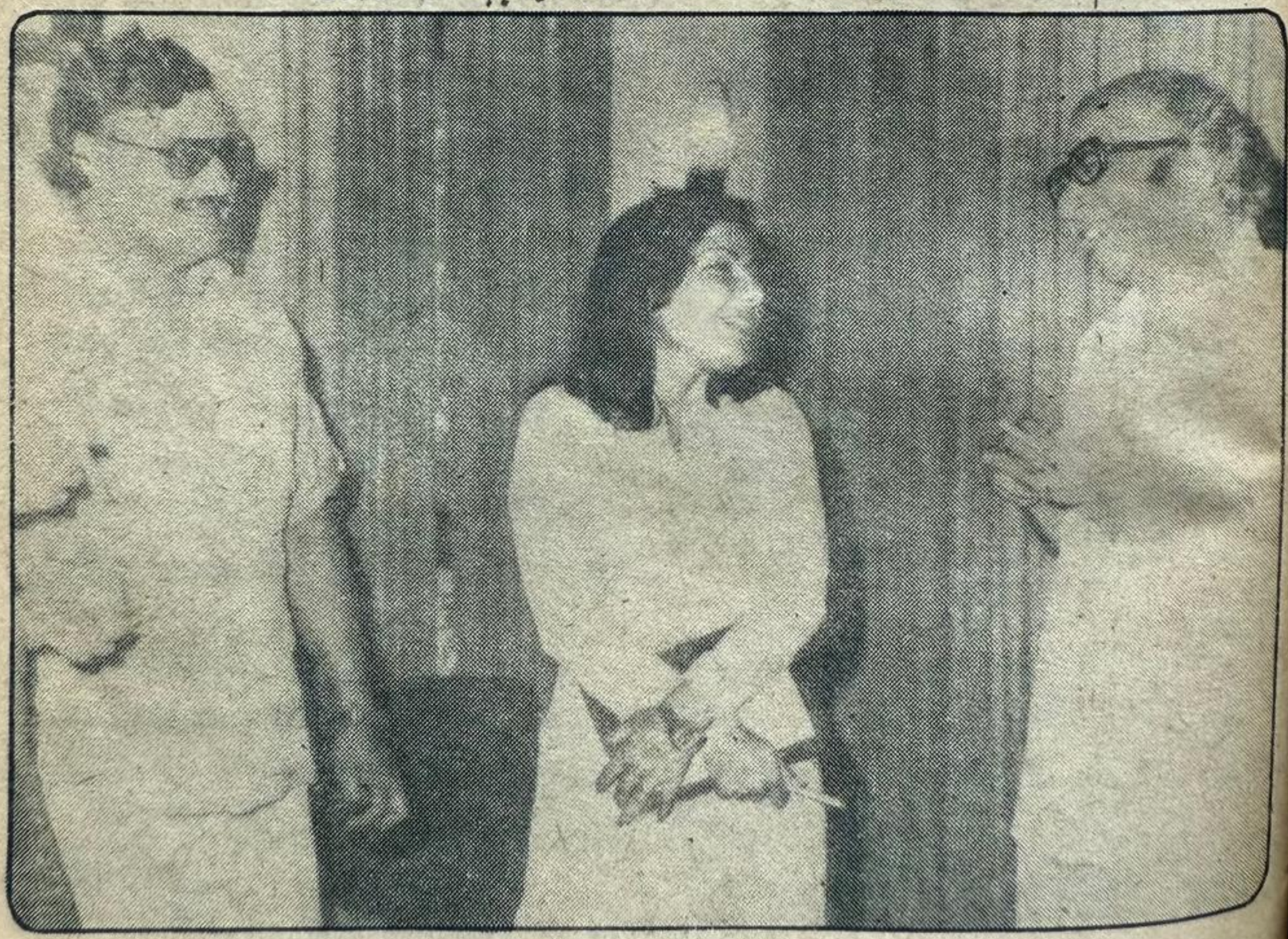

ملاقات کا ایک باتصویر شگفتہ لمحہ

انٹرویو کا حرفِ آخر۔ جناب شکیل جمالی دستخط کر رہے ہیں

"پاکستان کی جوان نسل کو کیسا پایا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے لوگوں میں اعتماد بہت زیادہ ہے خود اعتمادی کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے ہو۔ قومی اور ملکی جذبہ بہت زیادہ نظر آرہا ہے۔ آگے بڑھنے کی خواہش کے لیے واسطہ پاکستان کا استعمال واضح طور پر ہو رہا ہے۔ یعنی پاکستانیت بڑھ گئی ہے۔ نوجوان پاکستان کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ پاکستان ان کا اوڑھنا بچھونا لگتا ہے۔"

میرے دوست مت پوچھو ایک ہندوستانی کی زبان سے یہ باتیں سن کر مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ میں لمحہ لمحہ امرت پی رہی تھی۔ فقرہ فقرہ میرے لیے زندگی تھا۔ اس لیے میں نے مزید خوشی کے لیے بات آگے بڑھائی۔ "جمالی صاحب ہماری خواتین اور ہندوستانی خواتین میں کیا فرق محسوس ہوا؟"

"ہندوستانی مسلم خواتین سے پاکستانی خواتین زیادہ آزاد خیال ہیں۔ رہن سہن... لباس... یہاں خواتین زیادہ سوشل نظر آتی ہیں۔"

"اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ہم آزاد ہیں۔ ہمارا اپنا دیس ہے۔ اپنی روایات... اپنی مرضی... اپنا دن اپنی رات...

کیوں جی؟" میں نے استفسار کیا تو وہ بس ہنس کر رہ گئے۔

"لیکن مسلم خواتین کے علاوہ ہندوستانیوں سے پاکستانیوں کا مقابلہ تو کیجئے نا؟"

"وہاں کی عورت زیادہ سوشل ہے۔ بہت تیز چل رہی ہے۔ پاکستان میں ذاتی مسائل زیادہ ہیں؟"

"اس لیے کہ اپنا گھر سنوارنے کے بعد ہی دوسرے گھر پر نظر جاتی ہے۔" میں نے بھی پاکستانی عورت کے ذاتی مسائل میں اُلجھنے کا جواز دے دیا تو جمالی صاحب نے تائید کی۔

"پاکستانی لکھاری خواتین کے بارے میں؟"

"ہاں پاکستان میں زیادہ لکھاری خواتین آگے آ رہی ہیں اور اچھا ادب تخلیق کر رہی ہیں۔ ادبی میدان میں خاصی خواتین نظر آرہی ہیں۔ ہندوستان میں قدرے ادبی میدان میں خواتین کم ہی ہیں۔"

"وہاں صحافی خواتین کیسی جا رہی ہیں؟" میں نے وہاں کی صحافت کے بارے میں سوال کیا۔ تو وہ ہنسے۔

"بھئی یہاں بھی لڑکیاں خوب کام کر رہی ہیں لیکن صحافت کے میدان میں وہاں زیادہ خواتین ہیں اور خوب کام کر رہی ہیں۔ یہاں تو صرف آپ سے مل سکا ہوں۔"

ان سے باتیں کرتے ہوئے میں اُن کی شخصیت کے سحر میں ڈوبی رہی تھی۔ آخری سوال کا جواب پانے کے بعد جب میں نے نگاہ اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا سب جمالی صاحب کی طرف متوجہ تھے۔ وقت کم تھا اور صفحات محدود اس لیے ہم کئی سوالوں کا گلا گھونٹ کر اُٹھ کھڑے ہوئے شخصیتیں بھی بھلا چند گھنٹوں یا چند صفحوں میں سمیٹی جا سکتی ہیں؟